شذرات

شاہ ولی اللہ صاحب کا زمانہ اٹھارویں صدی عیسوی کا ہے، آپ ۱۷۰۳ء ید اور ۱۷۶۲ء میں آپ نے انتقال فرمایا۔ اس صدی میں دنیائے اسلام کے بر حصے میں آثار واضح طور پر سامنے آگئے تھے۔ یوں تو مسلم معاشرے کا داخلی انتشار اور اس کے ترکیبی کی باہمی کشاکشی کافی عرصہ پہلے سے جاری تھی، اور اس کے قوائے حیات میں بتدریج ضعف و اضمحلال آ رہا تھا، لیکن اس صدی میں یہ ہوا کہ مسلمانوں کے اس زوال سے فائدہ اٹھانے والی اور اس طرح اس کی رفتار کو تیز تر کرنے والی یورپی قوموں کی طاقت تاریخ میں نمو ہوئی اور اس کی یلغار اور معاشی لوٹ کھسوٹ اور بعد میں اس کے سیاسی تسلط نے دنیائے اسلام کے زوال کی تکمیل کر دی۔

شاہ ولی اللہ صاحب کا ۱۷۶۲ء میں انتقال ہوا اور اس سے چھ سال پہلے انگریز پلاسی کی جنگ جیت کر بنگال پر قابض ہو چکے تھے۔

تاریخ ہند و پاک کے مشہور محقق پروفیسر شیخ عبدالرشید نے حال ہی میں 'اٹھارویں صدی میں برصغیر کے مسلمانوں' پر ایک مقالہ لکھا ہے جس میں حضرت شاہ ولی اللہ کا بھی ذکر کیا ہے وہ لکھتے ہیں کہ انہوں نے اور ان کے جانشینوں نے اس برصغیر میں پہلی دفعہ صورت حالات کے جائزہ لینے اور مسلمانوں میں ایک نئی زندگی پیدا کرنے کی کوشش کی۔ اس زمانے میں لوگ فوجیوں اور سیاست دانوں سے مایوس ہو چکے تھے۔ اور واقعہ یہ ہے کہ برصغیر کی اس نازک گھڑی میں ان میں سے کوئی بھی آگے نہ آیا، جو حالات پر قابو پانے کی کوشش کرتا، مجبوراً لوگ صوفیہ کی خانقاہوں اور علماء کے مدرسوں کی طرف متوجہ ہوئے، اور ان سے اپنا مداوا چاہا۔ حضرت شاہ ولی اللہ اور ان کے جانشین اس طبقے میں سے تھے، اور ان کی تحریک اس دور میں جو قومی جد و جہد ہو سکتی تھی اس کا ایک منظم اظہار تھی، اس کی بدولت مسلمان اس قابل ہو سکے کہ وہ اس سیلاب میں جو ان کو غرقاب کر رہا تھا اپنا سر اونچا رکھ سکیں۔

پروفیسر شیخ عبدالرشید نے اپنے مضمون میں بعض اہل قلم کے ایسے اقتباسات دیئے ہیں، جن میں حضرت شاہ صاحب کی دعوت اور ان کی سرگرمیوں پر اعتراض کیا گیا ہے۔ جہاں تک شاہ صاحب کی اجتماعیات پر بحثیں ہیں، ان میں انہوں نے زیادہ تر دینی مواد دیا ہے، اور اسی طرز فکر کو اختیار کیا ہے جو ان کے زمانے میں متداول تھا، البتہ ان بحثوں کے دوران وہ کہیں کہیں اپنی خاص بات کہہ جاتے ہیں جس سے اندازہ ہوتا ہے کہ وہ نئی فکر بھی رکھتے ہیں، لیکن چونکہ اس زمانے میں عام راہ سے ہٹ کر بات کرنا مشکل تھا اس لئے وہ پہلوں کی باتوں میں اپنی خاص بات کہتے ہیں، یہ شاہ صاحب کا عام انداز ہے اور یہ اچھا خاصا کامیاب رہا۔

شاہ ولی اللہ صاحب کی خاص باتیں جو انہوں نے مقبول عام باتوں کے ضمن میں لکھی ہیں اگر آج بھی ان کو الگ کر کے پیش کیا جائے، تو اکثر راسخ العقیدہ بزرگ ان سے بھڑک اٹھتے ہیں اور گو وہ شاہ صاحب کی عظمت اور بزرگی کی وجہ سے چپ رہتے ہیں لیکن ان پر کڑھتے ضرور ہیں۔ مولانا سید سلیمان ندوی مرحوم و مغفور نے مولانا مسعود عالم مرحوم کو ایک خط میں لکھا تھا کہ شاہ ولی اللہ کا مطالعہ بڑی احتیاط سے کرنا چاہیئے کیونکہ کہیں کہیں وہ کفــــر کی حدود تک پہنچ جاتے ہیں۔

اس میں شک نہیں کہ شاہ صاحب نے اکثر پہلوں کی بات دہرائی ہے، شاہ صاحب کی کتابوں میں ان مذکورہ باتوں سے ان کے فکری رجحانات کا تعین کرنا صحیح نہیں ہے، اس کے لئے زیادہ گہرا جانے کی ضرورت ہے اور شاہ صاحب کو جن حالات و مشکلات میں تصنیفی کام کرنا پڑا، ان کو پیش نظر رکھنا ہوگا۔ کیا شاہ صاحب کی علمی و فکری عظمت کی یہ دلیل نہیں کہ سرسید اور ان کے بعد آج بھی ہمارے ہاں جو نئے انداز سے دینی مسائل پر سوچتے ہیں، ان سب کو شاہ صاحب کا سہارا لینا پڑتا ہے۔

یقیناً شاہ صاحب کا اجتماعی فکر بنیادی طور پر اٹھارہویں صدی سے تعلق رکھتا ہے اور ان سے یہ توقع رکھنا کہ وہ آج کے صنعتی دور کی ضرورتوں کے مطابق اور اس کی زبان میں بات کہیں، زیادتی ہے حضرت شاہ صاحب کی ایک عبارت کے متعلق ایک دفعہ مولانا سندھیؒ سے ایک صاحب نے شکایت کی کہ اس میں تو اونچے اور نچلے طبقوں کا ذکر ہے۔ مولانا مرحوم نے اس کا یہ جواب دیا تھا کہ مشین کی ایجاد سے پہلے اس طرح کی مساوات عمل کا تصور کرنا مشکل تھا۔

باقی رہا شاہ صاحب کا فکری انقلاب کے لئے زمین ہموار کرنا، تو کیا اس کیلئے یہ ثبوت کم ہے کہ انہوں نے اس زمانے میں یہ لکھا کہ رسول اکرم علیہ الصلوٰۃ والسلام کی بعثت کا ایک مقصد قیصر و کسریٰ کی

جابر سلطنتوں کو ختم کرنا تھا۔ حجۃ اللہ البالغہ کی یہ عبارت ملاحظہ ہو:۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم اور آپ کے صحابہ کے ذریعہ عرب سے باطل کا قلع قمع کیا گیا اور پھر عرب کے ذریعہ ان ہر دو جابر سلطنتوں کا قلع قمع کر دیا گیا ان جابر سلطنتوں کے ذکر میں لکھتے ہیں، «ان کی غیر معتدل مرفہ الحالی اور مُسرفانہ عیش پرستی کے جراثیم اور مہلک عادات واطوار کی گندگیاں ان تمام ممالک میں سرایت کر چکی تھیں، جو ان کے زیر فرمان تھے۔

شاہ صاحب کی کتابوں میں اس طرح کے اور بھی انقلابی افکار موجود ہیں۔ لیکن افسوس یہ ہے کہ ان کا دور (مسلمان) قوم کے زوال کا دور تھا۔ اور ان کے بعد یہ زوال زیادہ بھی ہوا اور اس کی حدود بھی وسیع ہو گئیں۔ چنانچہ بعد والوں نے شاہ صاحب کے ان انقلابی افکار کی طرف توجہ نہ دی اور ان باتوں پر زیادہ زور دیا گیا، جو سلف کے تتبع میں تھیں۔

مرہٹوں کی بڑھتی ہوئی طاقت کے خلاف شاہ ولی اللہ صاحب کا احمد شاہ ابدالی کو ہندوستان پر حملہ کرنے کی دعوت دینا، جیسا کہ عام طور سے مشہور ہے۔ اس پر بھی بعض حلقوں کی طرف سے اعتراض کیا جاتا ہے۔ اول تو اس وقت مسلمانوں کے سامنے اپنی حفاظت کا سوال تھا۔ اس کے بعد جہاں سے بھی انہیں امداد ملتی، اسے وہ لیتے۔ دوسرے اس زمانے میں دریائے اٹک سے اس طرف ایک ملک اور دوسری طرف دوسرے ملک کا خیال ہی نہیں تھا۔ صدیوں سے افغانستان کے علاقے سلطنت ہند کے حصے تھے۔ شاہ ولی اللہ نے اگر واقعی احمد شاہ ابدالی کو دعوت دی تھی تو وہ اپنوں کے خلاف غیروں کو دعوت دینا نہ تھا اس لئے آج جو لوگ اس پر اس بنا پر معترض ہیں، وہ زیادتی کرتے ہیں۔

شاہ صاحب کا احمد شاہ ابدالی کو مرہٹوں کی سرکوبی کرنے کے لئے لکھنا اس کا مطلب صرف یہ ہے کہ ایک عالم، مدرّس، مصنّف اور صوفی بھی اپنی قوم کے سود و زیاں سے غافل نہیں رہ سکتا۔ شاہ صاحب کا اصل مقام ایک صاحب فکر کا ہے۔ لیکن ان کے نزدیک فکر اور عمل دونوں لازم و ملزوم ہیں۔